ستمبر ۲۰۲۳ء/صفر المظفر ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

بیاد مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان قادری قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

شمارہ 277/ ستمبر ۲۰۲۳/ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ جلد ۳۱

بیاد

مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

مجلسِ رضا

فہرست

زرِ تعاون فی پرچہ -/50 روپے

سالانہ چندہ بذریعہ ڈاک -/800

خط و کتابت ترسیل زر اور ملنے کا پتا

مسلم کتابوی

داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور

0321-4477511
042-37225605

Email:muslimkitabevi@gmail.com

دیارِ غیر کی ہجرت ۔۔۔ایک دلخراش گوشوارہ

آج بڑی تیزی سے اہل اسلام یورپ اور مسیحی ممالک کی طرف ہجرت کررہے ہیں۔ پہلے بھی کرتے رہے ہیں؛ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بنیاد مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نسلیں ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہیں اور کنبے کا کنبہ مرتد ہوتا چلا جارہا ہے۔ معروف مصری عالم شیخ علی الطنطاوی کی پوتی مومنہ العظام کی اس سلسلے میں ایک چشم کشا، فکرانگیز اور دل ودماغ جھنجھوڑ دینے والی ایک رپورٹ پڑھیے، وہ کہتی ہیں کہ:

میرے دادا شیخ طنطاوی نامور عالم وفاضل ہونے کے ساتھ بڑے روشن دماغ اور مستقبل شناس تھے۔ دادا کی عالمی شہرت کی وجہ سے ہمارے پاس یورپ جانے کے بہت سے مواقع تھے، آسانی سے ویزے مل سکتے تھے؛ لیکن وہ ہمیں ہمیشہ دیارِ غیر میں جانے سے روکتے تھے۔ مجھے بڑا غصہ آتا تھا کہ یہ کیا دقیانوسیت ہے، سارے لوگ ہجرت کررہے ہیں، زندگی کی آسائشوں سے لطف اندوز ہورہے ہیں؛ مگر ہمارے مذہبی خاندان نے عجیب قسم کی پابندی ہمارے اوپر لگا رکھی ہے۔

لیکن جب میں بڑی ہوئی، یورپ کے دورے کیے، اور بہت سارے مہاجر خاندانوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو دادا جان کے لیے دل سے دعائیں نکلیں اور ان کی دوراندیشی کو سلام کرنا پڑا؛ کیوں کہ ان کا خدشہ صد فی صد حقیقت ثابت ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ ”کفر کی زمینوں پر رہنا، اور کافرانہ ملکوں میں بودوباش اختیار کرنا پیش آمدہ نسلوں کے ایمان وعقیدہ کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ ہوسکتا ہے آپ اپنے بچوں کے ایمان کو بچالیں، لیکن ان کے بعد کیا ہوگا، اور پھر ان کے پوتوں کے پوتوں پر کیا بیتے گی اس کی کوئی ضمانت نہیں لے سکتا“!۔

بہت سے مذہبی لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ الحمدللہ ہمارا گھرانہ بڑا کٹر دینی ہے،

کہیں جائے اور کسی زمین پر رہے فرق نہیں پڑتا۔مگر نہیں صاحب ایسا نہیں ہے، وقت گزرنے کے ساتھ فرق پڑتا ہے اور بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔

مومنہ العظام کہتی ہیں کہ ایک دہائی قبل مجھے مہاجر خاندانوں خصوصا مشہور بیروتی مذہبی ''رمضان خاندان'' کی تحقیقات پر مامور کیا گیا۔جب میں نے ریسرچ شروع کی، ان کے شجرات کھنگالے اور دنیا جہان میں پھیلے اس خاندان کے افراد کا جائزہ لیا تو قریبا پانچ ہزار لوگوں کا سراغ ملا۔لیکن ان کی نسلوں کی مذہبی تباہی کی داستان بڑی دلخراش اور جگر شگاف تھی۔پھر انھوں نے یورپ ہجرت کر جانے والے خاندانوں کا ایک گوشوارہ تیار کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ 100 سال قبل ہجرت کر جانے والوں کی پشتوں میں قریباً 96% غیر مسلم ہو چکے ہیں۔

80 سال قبل ہجرت کر جانے والوں کی پشتوں میں قریباً 75% مرتد ہو چکے ہیں۔

60 سال قبل ہجرت کر جانے والوں کی پشتوں میں قریباً 40% عیسائی ونصرانی بن چکے ہیں۔

40 سال قبل ہجرت کر جانے والوں کی پشتوں میں قریباً 25% اسلام چھوڑ چکے ہیں۔

قریباً اَسّی سال قبل ایک مشہور شیخ نے جنوب امریکہ کے ایک شہر 'ایکویڈر' کی طرف ہجرت کی، اور وہاں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔انھوں نے گھر کا ماحول مذہبی رکھا اور بچوں کو سختی سے دینی تعلیم بھی دی۔لیکن آج بدقسمتی سے ان کے پوتوں میں کوئی بھی مسلم نہیں۔ایسا ہی کچھ معاملہ بیشتر مہاجر خاندانوں کے ساتھ ہے۔

دور کہاں جانا، ہم لوگ قریباً چالیس سال سے امریکہ میں مقیم اور یہاں کے شہری ہیں، اور خود میرے دادا شیخ علی الطنطاوی کے پوتے پوتیوں میں سولہ غیر مسلم ہو چکے ہیں۔

ایکویڈر میں رمضان خاندان کے انٹھانوے لوگ آباد ہیں۔ان کے آباواجداد ۱۹۲۳ میں ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے۔آج وہ سارے کے سارے عیسائی بن چکے

ہیں، جن میں سے میں نے جورج، کرسچین، اور امیلیو رمضان سے ملاقات بھی کی۔ ان کو میں نے ان کا تابناک خاندانی پس منظر بتایا اور ہر طرح سے مدد کرنے کی کوشش بھی کی کہ کسی طرح گھر واپسی کرلیں، لیکن نعوذ باللہ کوئی رضا مند نہ ہوا۔

یہ رپورٹ میں نے کئی سال قبل پڑھی تھی، اور پڑھ کر بڑا دکھ ہوا تھا کہ دنیا میں کیسے کیسے حادثات وواقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ذہن سے بات نکل گئی تھی۔ ابھی چند روز قبل قنوج میں منعقد احیاے تصوف کانفرنس کے لیے جانا ہوا تو وہاں ایک شیخ سے ملاقات ہوئی، اور باتوں ہی بات میں انھوں نے حیدر آباد کے ایک معروف عالم- کہ جن کی لکھی کتاب آج بھی درسِ نظامی کی ابتدائی جماعت میں پڑھائی جاتی ہے- کے بچوں کے امریکہ ہجرت کر جانے کا ایک دلخراش واقعہ سنایا تو برسوں قبل پڑھی ہوئی مذکورہ رپورٹ کا نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔

شیخ صاحب نے بتایا کہ مولانا کے دو بچے ایک زمانے سے امریکہ میں رہتے تھے، وہیں کے شہری بن گئے، وہیں ان کی اولادیں بھی ہوئیں، گھر سے انھوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ مدتوں بعد ابھی حال ہی میں جب انھیں اپنی مٹی کی یاد آئی تو ان میں سے ایک ہندستان گھومنے آیا۔ اس نے جب اپنے امریکی خاندان کی روداد سنائی تو سامعین پر سکتہ طاری ہوگیا کہ اس کے اپنے دو بیٹے دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں: ایک عیسائی بن گیا اور دوسرا ایتھیسٹ۔ آج وہ بہت پچھتا رہا تھا لیکن ”اب پچھتاوے کا ہووت جب چڑیا چگ گئی کھیت“۔

واقعی اولاد کی تربیت اور ان کے قدموں کو دین پر جمائے رکھنا سب سے مشکل، صبر آزما اور اہم ترین کام ہے۔ مگر کیا کیجیے گا کہ ہمیں جب اپنے دین وایمان کی فکر ہی نہیں تو اپنی اولاد اور اولادوں کی اولاد کے ایمان وعقیدے کی فکر کیا ہوگی!۔ جب کہ اپنی اولادوں کے ایمان وعقیدہ کے بارے میں فکر مند ہونا اور انھیں بہترین دینی واسلامی

ماحول فراہم کر کے جانا یہ انبیاے کرام کی سنت ہے۔

اللہ جل مجدہ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ایمان وعقیدہ صحیحہ کی روشنی ہماری نسلوں میں باقی رکھے۔آمین یارب العالمین۔

کچھ رہے یا نہ رہے بس یہ دعا ہے کہ امیر
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

❀❀❀

آپ کی خاطر بنائے دو جہاں

میرزاامجد رازی

آپ کی خاطر بنائے دو جہاں
اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں

کچھ دنوں سے اس شعر پر مفتی اکمل عطاری صاحب کی راے اور خدشہ واعتراض پر نقد وجرح کا سلسلہ کافی عروج پکڑ چکا ہے، اس سلسلہ میں اہلِ بحث وتمحیص کے دو گروہ بن چکے ہیں۔

1 پہلا وہ گروہ ہے جو مفتی صاحب کی راے اور اعتراض کو قبول نہیں کرتا۔

2 دوسرا وہ گروہ ہے جو مفتی صاحب کی راے اور اعتراض کو درست تسلیم کرتا ہے۔

دونوں کے ہاں اپنی اپنی تاویلات موجود ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ شعر کی کنہ و ماہیت تک پہنچنے اور مزاجِ شعریت سے صحیح طور پر آگاہی کی براہین دونوں طبقوں کے پاس نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ شعر سے پیدا ہونے والے وہمِ کفر یہ یعنی خدا کے معلل بالاغراض ہونے کو وجہِ ممانعت ٹھہراتا ہے اور دوسرا طبقہ غرض وحکمت کے مابین فرق کو وجہِ صحّت وثقاہت

ٹھہراتا ہے، یعنی دونوں کے ہاں تاویل تو ہے لیکن دلیل نہیں، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ شعر پر کچھ اصولی گفتگو کی جائے تاکہ اس نتیجہ پر پہنچا جائے کہ دونوں طبقوں میں سے کون سا طبقہ حق پر ہے اور کون سا طبقہ توہّم کا شکار ہے، اب بلا تمہید شعر کی اصولی تفہیم کی طرف بڑھتے ہیں۔

تفہیمِ شعر: مذکورہ شعر کا مصرعِ ثانی

اپنی خاطر جو بنایا ، آپ ہیں

موضوعِ گفتگو ہے، اس ایک مصرع کو سمجھنے کے لیے آپ کو بلاغت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، جب تک آپ کی چشمِ ادراک پر وجوہِ اعجاز کا آفتاب طلوع نہیں ہوگا تب تک حقائق کے چہروں کی نقاب کشائی نہیں ہوگی، اگر حقائق ہی پوشیدہ رہ جائیں گے تو وہاں آپ کی عقل تشکیک کے حصار سے باہر نہیں آسکتی اور آپ شعر پر سوائے اظہارِ وہم کے کچھ نہیں کر سکتے، یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحب اور ان کے متبعین و متوسلین و معتقدین و متاثرین ایسے وہمِ لایعنی کا شکار ہو کر رہ گئے جسے نفیس اور لطیف ذوق کبھی بھی قبول نہیں کر سکتے تھے، مصرعِ موضوع لہ کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے مصرع کی لفظی ساخت و معنوی ماہیت کو دیکھا جائے گا، اور یہ مشاہدہ علمِ معانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

مصرعِ ھذا میں فقط دو لفظ ایسے ہیں جن کی مراد وضاحت طلب ہے، اور انہی دو لفظوں پر بعض لوگ وہم کا شکار ہوئے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی ایجادِ وہم کا سبب بنے ہیں، وہ دو لفظ ہیں (اپنی خاطر) انہی دو لفظوں کے درمیان وہ حقائقِ بلاغت تھے جن تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے وہم فساد کی شکل اختیار کر گیا اور علمِ کلام کی پیچیدہ ترین بحث کا دروازہ کھول دیا گیا، میں پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ ان کو یہ شعر سمجھ نہیں آئے گا اور وہ اس کا غلط مفہوم اخذ کریں گے تو کیا جس کلامی بحث کا

آپ نے دروازہ کھولا ہے وہ بحث ایسے نااہل لوگوں کو سمجھ آتی ہے؟ کیا وہ مسائلِ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے آگاہ ہیں؟ کیا وہ معلل بالاغراض کی تہہ در تہہ فلسفیانہ موشگافیوں سے شناسا ہیں؟ کیا وہ تقدیم و تاخیرِ ارادہ کی نسبتوں اور ان میں موجود باریکیوں سے واقف ہیں؟

یہ سب توہم اور عقلی بے ترتیبی آپ کی طرف سے ہے، ادنی سے ادنی علم رکھنے والا بھی جب یہ مصرع سنتا ہے تو اس کا دماغ اس طرف جاتا ہی نہیں جس طرف آپ ان کو زبردستی لے کر جانا چاہتے ہیں، اور یہ سب بگاڑ اس لیے ہوا کہ آپ اس دولفظی ترکیب کے اندر پوشیدہ لطائف اور دقائق وحقائق تک پہنچے ہی نہیں ہیں۔

تعبیرات:

اس دولفظی جملے (اپنی خاطر) کی مختلف تعبیرات ہیں

1 اپنے قیام وثبوتِ ذات کے لیے
2 اپنے قیام وثبوتِ صفات کے لیے
3 اپنے قیام وثبوتِ ارادہ کے لیے
4 اپنے قیام وثبوتِ قدرت کے لیے
5 اپنے قیام وثبوتِ افعال کے لیے
6 اپنے قیام وثبوتِ کمال کے لیے
7 اپنے ظہورِ ذات وصفات کے لیے

یہ سب تعبیرات متعلقاتِ مسندالیہ ہیں، یعنی ان سب کا تعلق مسندالیہ کے ساتھ ہے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ان جملہ تعبیرات میں سے کس تعبیر کا تعین کیا جائے؟ تو اس تعینِ تعبیر کے لیے آپ کو سب سے پہلے حقیقتِ اسناد سمجھنا ہوگی، لیکن اس سے بھی پہلے آپ کو شعر میں مسند ومسندالیہ اور اسناد کا سمجھنا امرِ لازمی ہے۔

سانچہ:

؎ اپنی خاطر جو بنایا ، آپ ہیں

1 اپنی (مراد ذاتِ الٰہی)/مسند الیہ 2 بنانا-اسناد

3 آپ (مراد ذاتِ محمدی علیہ السلام)/مسند

اب آیئے اسناد کو سمجھ لیجیے کیونکہ اسناد کے بغیر نہ تو مسند الیہ پایا جاتا ہے اور نہ ہی مسند

اسناد:

کلمہ وقائم مقام کلمہ کا دوسرے کلمہ وقائم مقام کلمہ کے ساتھ ایسے ملاقی ہونا جس سے مخاطب کو یہ فائدہ حاصل ہو کہ دونوں کلموں میں سے ایک کا مفہوم دوسرے کے لیے ثابت ہے یا منتفی ہے، جیسے زید قائم اور زید لیس بقائم۔

اقسامِ اسناد:

اسناد کی پھر دو اقسام ہیں

1 اسنادِ حقیقی 2 اسنادِ مجازی

اسنادِ حقیقی میں فعل و معنیٔ فعل کی نسبت ماہولہ کی طرف ہوتی ہے بشرطیکہ وہ نسبت متکلم کے اعتقاد کے مطابق ہو، جبکہ اسنادِ مجازی میں فعل و معنیٔ فعل کی نسبت غیر ماہولہ کی طرف ہوتی ہے اور اس میں ایسا قرینہ بھی موجود ہوتا ہے جو اسنادِ حقیقی مراد لینے سے مانع ہوتا ہے۔

اقسامِ قرینہ:

اسنادِ مجازی میں ایسا قرینہ ہونا ضروری ہوتا ہے جو اس بات پر دلیل ہو کہ اس مقام پر لفظ وکلام کا معنیٔ حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ معنیٔ مجازی مراد ہے، قرینہ کی دو اقسام ہیں۔

1 لفظیہ 2 معنویہ

قرینہ لفظیہ وہ ہے جو لفظوں میں موجود ہو جبکہ قرینہ معنویہ وہ ہے جو لفظوں میں

موجود نہ ہو۔

قرینہ معنویہ کی اقسام:

پھر قرینہ معنویہ کی دو اقسام ہیں

1 وہ قرینہ ایسا ہو جس سے مسند کا مسند الیہ کے ساتھ قیام عقلاً یا عادۃً محال ہونا معلوم ہو جائے۔

2 متکلم کی حالت اس بات پر دلیل ہو کہ اس مقام پر اس لفظ کا معنیٰ ظاہری مراد نہیں ہو سکتا۔

اقسامِ اسناد باعتبارِ مسند و مسند الیہ:

مسند و مسند الیہ کی حقیقت و مجاز کے اعتبار سے اسنادِ مجازی کی چار اقسام ہیں

1 مسند و مسند الیہ دونوں حقیقی ہوں 2 مسند و مسند الیہ دونوں مجازی ہوں

3 مسند حقیقت اور مسند الیہ مجاز ہو 4 مسند مجاز اور مسند الیہ حقیقت ہو

اب آپ ذرا شعر کے سانچہ کی طرف دوبارہ توجہ کیجیے

1 اپنی، مسند الیہ حقیقی 2 آپ، مسند حقیقی

3 بنانا، اسناد

یہ وہ مقام ہے جہاں لوگوں کی عقل وہم کا شکار ہوگئی، وہ صرف اسناد دیکھتے رہے کہ اسناد یعنی بنانے کی نسبت مسند الیہ حقیقی کی طرف ہے لہذا یہاں خدا کا معلل بالاغراض ہونا لازم آتا ہے، یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ انہوں نے اسناد کی حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کیا یہ اسناد حقیقی ہے یا مجازی؟ کیا یہ اسناد متعلق بہ ذاتِ مسند الیہ ہے یا متعلق بہ متعلقاتِ مسند الیہ ہے؟ لیکن یہ بات کیسے معلوم ہوتی جب ان کی نظر میں اسنادِ مجازی کے علاقے ہی نہیں تھے جن میں سے ایک الاسناد الی المتعلقات ہے جس میں اسناد کی نسبت لفظی طور

پر تو مسند الیہ کی طرف ہوتی ہے لیکن مراد متعلقاتِ مسند الیہ میں سے کوئی ایک متعلق ہوتا ہے جس پر قرینہ لفظیہ یا معنویہ دلالت کرتا ہے اور یہ مجازِ مرسل کی قبیل سے ہے جسے اطلاق الشیٔ و ارادۃ المتعلق کہتے ہیں یعنی شیٔ بول کر متعلقِ شیٔ مراد لینا جیسے قرآن میں ہے۔

اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنكُم مِنَ الغَائِطِ

یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کر کے آئے۔

تو یہاں لفظِ غائط یعنی کشادہ نشینی بول کر کشادہ زمین میں کیے جانے والا بول و براز مراد ہے، گویا شئی بول کر متعلقِ شئی مراد لیا گیا ہے۔

اب آپ اوپر جملۂ ھذا (اپنی خاطر) کی تعبیرات میں سات متعلقات ملاحظہ فرمائیں جن کا تعلق مسند الیہ سے ہے، اور غور کریں کہ (بنانا) جو کہ اسناد ہے اس کا تعلق کس متعلق سے ہے؟

ہلکا سا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس اسناد کا تعلق آخری متعلق یعنی اپنے ظہورِ ذات و صفات کے ساتھ ہے یعنی خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ظہورِ ذات و صفات کے لیے تخلیق فرمایا

متعلق کو حذف کیوں کیا گیا؟:

امام عبد القاہر جرجانی دلائل الاعجاز میں لکھتے ہیں:

هذا باب دقيق المسلك، لطيف المأخذ، عجيب الامر، شبيه بالسحر، فانك ترى به ترك الذكر افصح من الذكر، والصمت عن الافادة ازيد للافادة، وتجدك انطق ماتكون اذا لم تنطق، واتم ماتكون بيانا اذا لم تبين، وهذه جملة قد تنكرها حتى تخبر، وتدفعها حتى تنظر

''یہ حذف فی الکلام ایسا باب ہے کہ اس کی راہ دشوار، اس کا حصول باریک، اس کا

معاملہ حیرت انگیز اور سحر آفرینی کے مشابہ ہے، کیونکہ تم اس باب میں عدمِ ذکر کو ذکر سے فصیح تر اور کسی فائدے کے سبب سے خاموشی کو افادے کے لیے زیادہ مؤثر دیکھو گے اور تم عدمِ تکلم کو تکلم سے اور عدمِ بیان کو بیان سے کامل تر پاؤ گے اور تم اس بات کو اجنبی خیال کرو گے، یہاں تک کہ تم ہماری اس بات کو تجربے سے آزماؤ اور تم ذکر کردہ کلام کو بعید سمجھو گے، یہاں تک کہ اس میں کامل غور و فکر کرو"۔

علماء بلاغت نے اس کی شرائط میں سے ایک شرط یہ رکھی ہے کہ لفظ و معنی کی صحت کے لیے محذوف کا اعتبار ضروری ہوگا، بلغا کی اسی بیان کردہ شرط کے تحت اب ہم پر محذوف متعلقات میں سے کسی ایک متعلق کا اعتبار کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اور وہ متعلق وہی ہے جسے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی خاطر یعنی اپنے ظہورِ ذات وصفات کے لیے تخلیق فرمایا:

امام یوسف بن اسماعیل نبھانی جواہر البحار میں لکھتے ہیں

رسول اللہ ﷺ ھو الذاتی الوجود و ما سواہ فصفاتی الوجود و ذالك ان شاءاللہ تعالیٰ لما افراد ان یتجلی فی العالم اقتضی کمال الذات ان یتجلی بکمالہ الذاتی فی اکمل موجودیاتہ من العالم فخلق محمد ﷺ من نور ذاتہ لتجلی ذاتہ لان العالم جمیعہ لایسع تجلیہ الذاتی لانھم مخلوقون من انوار الصفات فھو فی العالم بمنزلہ القلب الذی وسع الحق

"حضور کا وجود ذاتی ہے، حضور کے علاوہ سب کا وجود صفاتی ہے اور یہ سب اس لیے کہ اللہ سبحانہ نے جب دنیا میں ظاہر ہونے کا ارادہ فرمایا تو پھر کمالِ ذات نے اپنے ذاتی کمال سے دنیا کے اکمل موجودات میں ظاہر ہونے کا اقتضاء کیا، تو حضور کو اپنی ذات کے ظہور کے لیے اپنے نورِ ذات سے پیدا کیا، کیونکہ اس کی ذاتی تجلی ساری دنیا میں نہیں سما سکتی تھی، اس لیے کہ ساری دنیا کی تخلیق انوارِ صفات سے ہے، تو حضور اس دنیا میں اس دل

کی طرح ہیں جس میں تجلیٔ حق سما سکتی ہے۔

متعلقِ مذکور مراد لینے کی وجہ:

آپ اوپر قرینۂ معنویہ کی اقسام میں پڑھ آئے ہیں کہ متکلم کی حالت اس بات پر دلیل ہو کہ اس مقام پر اس لفظ وعبارت کا معنیٔ ظاہری مراد نہیں ہے اور متکلم کا اعتقاد اس کے معنیٔ ظاہری کے مطابق نہیں، اب کون ہے جو حضرت تاج الشریعہ کی ذات کے متعلق یہ خیال کرے کہ انہوں نے خدا کو معلل بالاغراض ٹھہرانے کے لیے کہا ہو۔

اپنی خاطر جو بنایا، آپ ہیں ایسا صرف وہی سوچے گا جس کی عقل میں کمی اور جس کے علم میں نقص ہو ورنہ کوئی صاحبِ دیدہ ان کی ذات سے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔

❀❀❀

اردو کا جنازہ ہے، ذرا دھوم سے نکلے

نصاب کو کورس کہا جانے لگا۔

اور اس کورس کی ساری کتابیں بستہ کے بجائے بیگ میں رکھ دی گئیں۔

ریاضی کو میتھس کہا جانے لگا۔

اسلامیات، اسلامک سٹڈی بن گئی۔

انگریزی کی کتاب، انگلش بک بن گئی۔ اسی طرح طبیعیات، فزکس میں۔

معاشیات، اکنامکس میں، سماجی علوم، سوشل سائنس میں تبدیل ہو گئے۔

پہلے طلبہ پڑھائی کرتے تھے۔ اب اسٹوڈنٹس سٹڈی کرنے لگے۔

پہاڑے یاد کرنے والوں کی اولادیں ٹیبل یاد کرنے لگیں۔

اساتذہ کے لیے میز اور کرسیاں لگانے والے، ٹیچرز کے لیے ٹیبل اور چیئرز لگانے لگے۔

داخلوں کی بجائے ایڈمشنز ہونے لگے۔

اول، دوم، اور سوم آنے والے طلبہ، فرسٹ، سیکنڈ، اور تھرڈ آنے والے سٹوڈنٹ بن گئے۔

پہلے اچھی کارکردگی پر انعامات ملا کرتے تھے پھر پرائز ملنے لگے۔

بچے تالیاں پیٹنے کی جگہ چیئرز کرنے لگے۔

یہ سب کچھ سرکاری سکولوں میں ہوا ہے۔

باقی رہے پرائیویٹ سکول، تو ان کا پوچھیے ہی مت۔

ان کاروباری مراکز تعلیم کے لیے کچھ عرصہ پہلے ایک شعر کہا گیا تھا،

مکتب نہیں ، دکان ہے ، بیوپار ہے
مقصد یہاں علم نہیں روزگار ہے

اور تعلیمی اداروں کا رونا ہی کیوں رویا جائے، ہمارے گھروں میں بھی اردو کو یتیم اولاد کی طرح ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔

زنان خانہ اور مردانہ تو کب کے ختم ہو گئے۔

خواب گاہ کی البتہ موجودگی لازمی ہے تو اسے ہم نے بیڈروم کا نام دے دیا۔

باورچی خانہ کچن بن گیا اور اس میں پڑے برتن کراکری کہلانے لگے۔

غسل خانہ پہلے باتھ روم ہوا پھر ترقی کر کے واش روم بن گیا۔

مہمان خانہ یا بیٹھک کو اب ڈرائنگ روم کہتے ہوئے فخر محسوس کیا جاتا ہے۔

مکانوں میں پہلی منزل کو گراؤنڈ فلور کا نام دے دیا گیا اور دوسری منزل کو فرسٹ فلور۔ دروازہ اب ڈور کہلایا جانے لگا۔

پہلے مہمانوں کی آمد پر گھنٹی بجتی تھی اب ڈوربیل بجنے لگی۔

کمرے کب کے روم بن گئے۔

کپڑے الماری کی بجائے کپ بورڈ میں رکھے جانے لگے۔

''ابو جی'' یا''ابا جان جیسا پیارا اور ادب سے بھرپور لفظ دقیانوسی لگنے لگا، اور ہر طرف ڈیڈی، ڈیڈ، پاپا، پپّا، پاپے کی گردان لگ گئی حالانکہ پہلے تو پاپے (رس) صرف کھانے کے لئے ہوا کرتے تھے اور اب بھی کھائے ہی جاتے ہیں۔

اسی طرح.....

شہد کی طرح میٹھا لفظ''امی'' یا امی جان اب تو''ممی''اور مام میں تبدیل ہو گیا۔

سب سے زیادہ نقصان رشتوں کی پہچان کا ہوا۔

چچا، چچی، تایا، تائی، ماموں ممانی، پھوپھا، پھوپھی، خالو خالہ سب کے سب ایک غیر ادبی اور بے احترام سے لفظ''انکل اور آنٹی میں تبدیل ہو گئے۔

بچوں کے لیے ریڑھی والے سے لے کر سگے رشتہ دار تک سب انکل بن گئے۔

یعنی محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے۔

ساری عورتیں آنٹیاں، بن گئیں۔

چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنیں اور بھائی سب کے سب کزنس میں تبدیل ہو گئے، نہ رشتے کی پہچان رہی اور نہ ہی جنس کی۔

نہ جانے ایک نام تبدیلی کے زد سے کیسے بچ گیا۔۔۔گھروں میں کام کرنے والی خواتین پہلے بھی ماسی کہلاتی تھیں اب بھی ماسی ہی ہیں۔

گھر اور سکول میں اتنی زیادہ تبدیلیوں کے بعد بازار انگریزی کی زد سے کیسے محفوظ رہتے۔

دکانیں شاپس میں تبدیل ہو گئیں اور ان پر گاہکوں کی بجائے کسٹمرز آنے لگے۔

آخر کیوں نہ ہوتا کہ دکان دار بھی تو سیلز مین بن گئے جس کی وجہ سے لوگوں نے خریداری چھوڑ دی اور شاپنگ کرنے لگے۔سڑکیں روڈز بن گئیں۔

کپڑے کا بازار کلاتھ مارکیٹ بن گئی، یعنی کس ڈھب سے مذکر کو مونث بنا دیا گیا۔

کریانے کی دکان نے جنرل اسٹور کا روپ دھار لیا، نائی نے باربر بن کر حمام بند

کردیا اور ہیئر کٹنگ سیلون کھول لیا۔ایسے ماحول میں دفاتر بھلا کہاں بچتے۔

پہلے ہمارا دفتر ہوتا تھا جہاں مہینے کے مہینے تنخواہ ملا کرتی تھی، وہ اب آفس بن گیا اور منتھلی سیلری ملنے لگی ہے۔

اور جو کبھی صاحب تھے وہ باس بن گئے ہیں۔بابو بن گئے کلرک اور چپراسی بن گئے پیُن۔

پہلے دفتر کے نظام الاوقات لکھے ہوتے تھے۔اب آفس ٹائمنگ کا بورڈ لگ گیا۔

سود جیسے قبیح فعل کو انٹرسٹ کہا جانے لگا۔ طوائفیں تو کب کے آرٹسٹ بن گئیں اور محبت کو لَوّ کا نام دے کر محبت کی ساری چاشنی اور تقدس ہی چھین لیا گیا۔

صحافی رپورٹر بن گئے اور خبروں کی جگہ ہم نیوز سننے لگے۔

کس کس کا اور کہاں کہاں کا رونا رویا جائے۔

اردو زبان کے زوال کی صرف حکومت ہی ذمہ دار نہیں، عام آدمی تک نے اس میں حتی المقدور حصہ لیا ہے۔

اور دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس تک نہیں کہ ہم نے اپنی خوبصورت زبان اردو کا حلیہ مغرب سے مرعوب ہو کر کیسے بگاڑ لیا ہے۔

❀❀❀

حضرت تاج الشریعہ کا ایک شعر اور مفتی محمد اکمل زید فہمہ کا مغالطہ

اَبوالحسن واحد الرضوی کان اللہ لہ

خادم دارالافتاء

آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، اٹک، پاکستان

سوال از: کاروانِ بخشش نعت فورم

ارسال کردہ: ڈاکٹر محمد مشاہد حسین رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ

بتاریخ ۱۳ جون ۲۰۲۳ء (مالیگاؤں، انڈیا)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

بخدمت علامہ صاحب زادہ پیر ابوالحسن واحد رضوی صاحب قبلہ!

مفتی محمد اکمل صاحب کی ایک ویڈیو لنک ارسال ہے، جس میں حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے ایک شعر:

آپ کی خاطر بنائے دو جہاں

اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں

کی بابت گفتگو کی گئی ہے، آپ بھی سماعت کیجیے گا، آیا مفتی صاحب درست فرما رہے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھّاب

حامدًا و مصلّيًا و مسلّمًا، أمّا بعد! و علیکم السّلام و رحمة الله و برکاتہٗ!

شعرِ تاج الشریعہ [علیہ الرحمہ]، زبان و بیان اور مضمون کے حوالے سے سادہ، صاف اور واضح ہے۔ دونوں مصرعے اپنی اپنی جگہ کئی آیات اور احادیث و روایات کی طرف مشیر ہیں۔ نعتیہ شعر اور بیانِ عقیدہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، عوام و خواص کی کسی بھی مجلس میں، یہ شعر، پڑھنے اور سنانے میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک، مولانا مفتی محمد اکمل صاحب زید فہمہ کی گفتگو کا تعلق ہے تو وہ [ایک آدھ جملہ کے علاوہ] شعر سے غیر متعلق ہے۔ مسئلۂ غرضِ فعل کو انھوں نے جس طرح یہاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ درست نہیں۔ اِس طرح تو کئی آیاتِ عالیہ اور احادیثِ مبارکہ کا انکار لازم آتا ہے، والعیاذ باللہ! دراصل، اُنھیں شعر فہمی پھر مسئلۂ غرضِ فعل کے اطلاق و انطباق، دونوں میں مغالطہ ہوا ہے۔ اور چونکہ معاملہ نعتیہ شعر کا ہے لہذا ان کا مغالطہ عام نہیں بلکہ درجۂ اتم و اکمل پر فائز ہے۔

توضیح مطلب کے لئے اوّلاً برنگِ اختصار، شعر کا مفہوم اور ثانیاً مفتی صاحب زید فھمہ کے مغالطے کا ازالہ کیا جاتا ہے، واُ قول و باللہ التّوفیق!

اوّلاً: شعر کا مفہوم:

آپ کی خاطر بنائے دوجہاں
اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر، دوجہان کی تخلیق فرمائی۔ جبکہ اپنی خاطر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق فرمایا۔ یعنی حضور، وجہِ تخلیقِ کائنات، باعثِ موجودات اور سببِ جملہ ممکنات ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ''محبوبیتِ عُظمیٰ'' کے مرتبہ پر فائز ہیں۔

علم نحو اور بلاغت کی روشنی میں، کلمہ ''آپ'' ضمیر غائب ہے۔ اور شعر کا انداز جملہ خبریہ کا ہے۔ یا اِس میں انشائیہ انداز بھی ہوسکتا ہے کہ حضرتِ شاعر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالی میں، شرفِ تخاطب سے مشرف ہو کر عرض کناں ہیں کہ یا رسول اللہ! خالقِ کائنات نے دوجہان کی تخلیق آپ! کی خاطر فرمائی ہے جبکہ اپنی خاطر، جس ہستی کو بنایا ہے، وہ'' آپ ہیں''۔ آپ کا یہ غلام، اِسی عقیدہ کو مانتا اور اسی بنا پر عقیدت کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ! ہی میرا مقصود اور آپ ہی میرا مطلوب ہیں۔ آپ! ہی کی محبت، اصل الاُصول اور ایمان کی بنائے مقبول ہے۔

مصرعِ اوّل [آپ کی خاطر بنائے دوجہاں] ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ نیز اِس کا مضمون کئی آیات کی طرف بھی مشیر ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اَوّلُ الخَلق ہیں۔ باقی جملہ اشیاء بعد میں، وجود پذیر ہوئیں، لہذا بعد کی تمام مخلوق، آپ کی خاطر تخلیق ہوئی۔ اور یوں آپ کی محتاج اور گداگر بھی ٹھہری۔

حضور کے اَوّلُ الخَلق ہونے پر سورۃ الحدید کی آیۂ کریمہ [ھوالاوّل] دلیلِ واضح

ہے۔کہ جیسے اس سے مراد، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ویسے ہی اس کا مصداق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات بھی ہے۔

اسی طرح آیۂ مبارکہ:وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ [الزمر ۱۲][اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بن جاؤں] ہے۔ملاحظہ کیجئے!اس آیۂ عالیہ میں بھی،لفظِ اوّل نمایاں ہے۔جس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اوّلُ الخلق بھی ہیں اور سب سے پہلے مسلم بھی آپ ہی ہیں۔

آیاتِ مبارکہ کے علاوہ،کئی احادیث بھی آپ کے مخلوقِ اوّل ہونے پر شاہد ہیں، جیسے:

أوّل ما خلق اللہ نوری۔[روح المعانی،زرقانی]

اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔

ایک اور روایت کے الفاظِ مبارکہ ہیں:

کنت أوّل الأنبیاء فی الخلق وآخرھم فی البعث۔[ابن کثیر]

میں تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں سب کے بعد ہوں۔

درج بالا روایات کے علاوہ،حدیث جابر تو بہت مشہور ہے اور کافی طویل بھی ہے۔اس کے یہ کلمات تو ہر خاص وعام کو ازبر ہیں کہ

یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الأشیاء نور نبیك من نورہ۔[مصنف عبد الرزاق]

اے جابر!اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

اور مصرع ثانی[اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں]،اُن تمام روایات واحادیث کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نہ ہوتی تو اللہ

تعالیٰ کچھ بھی تخلیق نہ فرماتا بلکہ اپنی ربوبیت کا اظہار بھی نہ فرماتا۔

ایک حدیثِ قدسی کے الفاظِ قدسیہ یہ ہیں:

لولاك لما خلقت الأفلاك

اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک [یعنی کائنات] کو پیدا نہ فرماتا۔

یہاں کلمۂ افلاک اپنے خاص اور محدود معنیٰ یعنی "محض افلاک" میں مقید نہیں بلکہ اِطلاق اسم الجزء علی الکلّ کی سبیل سے ہے۔ یعنی جملہ کائنات مراد ہے۔ اور اِس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، مثلاً:

روى الديلمي عن ابن عباس رضى الله عنهما مرفوعا أتاني جريل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔ وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا۔ [الأسرار المرفوعہ]

دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی کہ [آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:]

میرے پاس جبریل آئے اور عرض کی کہ [اللہ فرماتا ہے] اے محمد [کریم]! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ فرماتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ پیدا نہ فرماتا۔ اور ابن عساکر کی ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے میں دنیا پیدا نہ فرماتا۔

درج بالا آیات و روایات، دیگر دلائل اور علماء کرام کی تصریحات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور، محبوبیتِ عظمیٰ کے مقام پر فائز ہیں۔ یعنی خدا کے مظہر اتم اور حبیب اکرم۔ اور یہ کائنات ہست و بود، سب آپ ہی کے وجودِ باجود کی خاطر، معرضِ وجود میں آئی اور اب بھی آپ ہی سے ہے اور جب تک حکمتِ خداوندی ہوگی آپ ہی کے لئے رہے گی۔ [صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم]۔

حضرتِ شاعر [علیہ الرحمۃ] کے شعر کا مختصر مفہوم، یہی ہے۔ اہل محبت کے لئے

اس قدر تصریح، کافی ووافی ہے جبکہ اہل تحقیق کے لئے تفصیلِ مزید کی راہیں کھلی ہیں۔

ع۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب

تاج الشریعہ [علیہ الرحمۃ] کا یہ شعر، دراصل اعلیٰ حضرت [قدس سرہ] کے ایک مشکل شعر کی آسان صورت ہے اور وہ شعر یہ ہے۔

محمد کا دم خاص بہر خدا ہے
سوائے محمد برائے محمد

[حدائق بخشش]

ثانیاً: مفتی محمد اکمل صاحب زید فہمہ کا مغالطہ اور اس کا ازالہ:

جیسا کہ مفتی صاحب کی گفتگو سے ہویدا ہے کہ انھیں اِس شعر کے تفہم میں، مغالطہ ہوا۔ انھوں نے مصرعِ ثانی [اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں] میں ''اپنی خاطر'' سے تخلیقِ خدا کو غرض سے منسلک کر دیا۔ اگر چہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ شعر کی تاویل ہوسکتی ہے تاہم اُن کے ذہن میں یہ مفہوم بھی ذہن نشین ہو گیا کہ یہاں فعلِ خدا کی غرض ثابت ہو رہی ہے۔ جو درست نہیں۔ چنانچہ اسی تناظر میں انھوں نے مشورہ دے دیا کہ ایسے اشعار، عوام میں نہ پڑھے جائیں۔ حالانکہ عوام کو تو ''مسئلۂ غرضِ فعل'' کا علم ہی نہیں۔ ہاں اگر مفتی صاحب اپنے مغالطے کی اساس پر، یہ مشورہ، یوں دیتے کہ یہ شعر، خواص کے سامنے نہ پڑھا جائے کہ وہ اس سے غرضِ خدا کا مفہوم نکالیں گے، تو پھر بھی کوئی بات تھی۔ مگر جیسا کہ ہم کہہ چکے کہ یہ مفتی صاحب کا محض مغالطہ ہے۔ اور بحیثیت انسان، کسی کو بھی مغالطہ ہوسکتا ہے۔ بقولِ شیخ سعدی [علیہ الرحمۃ]۔

ہر کہ تامّل نکند در جواب
بیشتر آید سخنش ناصواب

اہل علم کو جب مغالطہ ہو جائے تو اس کا حل یہ ہے کہ دوسرے اہلِ علم وفن، علمی وفنی

انداز میں اس مغالطے کا ازالہ کر دیں۔ کہ علم و تحقیق کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ والتّوفیق من اللہ۔

اگر مفتی صاحب کی بات مان لی جائے تو دوسرا مصرع ہی کیا، پہلا مصرع بھی، اس تیرِ اعتراض کا نشانہ ٹھہرے گا کہ وہاں بھی خدا کی غرض ثابت ہوئی۔ کیونکہ دوسرے لفظوں میں یہی کہا جائے گا کہ دونوں جہان بنانے سے خدا کی غرض یہ ہے کہ وہ حضور کے لئے ہیں۔ بلکہ مفتی صاحب کے اندازِ فکر کے مطابق اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی تخلیق کیا ہے، اس کا ہر فعل، غرض [یعنی فائدۂ مطلوبہ] سے منسلک ہوتا دکھائی دے گا، نعوذ باللہ!

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ مفتی صاحب کو تفہم شعر [یعنی خود شعر سمجھنے] میں مغالطہ ہوا ہے جبکہ تفہیم شعر [یعنی شعر دوسروں کو سمجھانے] میں اُن سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ یہاں اپنی خاطر سے مراد، جیسا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے، یہ ہے کہ آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ یعنی حضور کو محبوبیت عظمیٰ عطا کی۔ اور محبوبیتِ عظمیٰ، یہ وہ مقام ہے جس کی تعبیر و تشریح سے عقلیں عاجز اور دماغ حیران ہیں۔ الفاظ میں بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ

ع۔ اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں

اور بقولِ اعلیٰ حضرت قدس سرہ ؎

محمد کا دم خاص بہر خدا ہے
سوائے محمد برائے محمد

[حدائق بخشش]

هذا عندی والله تعالیٰ وبإعطائه رسوله الأعلیٰ أعلم بحقیقة الأحوال والأحکام۔

❀❀❀

سونف کی چائے صحت کا ایک انمول خزانہ ہے

حکیم میلاد رضا

سونف کو زمانہ قدیم سے طبی لحاظ سے صحت کے لیے فائدہ مند سمجھا جاتا ہے، جو کہ متعدد امراض کی روک تھام میں مدد دے سکتی ہے۔

اسے خام شکل میں کھایا جائے یا چائے کی صورت میں، فائدہ ہر بار ہوتا ہے۔

چائے بنانے کا طریقہ

ایک سے 2 کھانے کے چمچ سونف کو پیس لیں اور اسے ایک کپ میں ڈالنے کے بعد اس میں گرم پانی شامل کر دیں، اس کپ کو ڈھانپ دیں اور دس منٹ کے لیے ہلائیں، اس کے بعد چھان لیں اور چائے سے لطف اندوز ہوں، اگر دل کرے تو کچھ مقدار میں اس میں شہد کا اضافہ بھی کر دیں۔

یہ چائے وٹامن اے، سی اور ڈی کے ساتھ ساتھ اینٹی آکسائیڈنٹس سے بھی بھرپور ہوتی ہے، جس کے فوائد درج ذیل ہیں۔

جسمانی وزن میں کمی

چونکہ سونف نظام ہاضمہ کے عمل کو بہتر بناتی ہے، اسی لیے یہ غذائیت کو جزو بدن بنانے کا عمل بھی بہتر کر دیتی ہے۔اس طرح نقصان دہ اجزاء جسم سے خارج ہو جاتے ہیں ،اسی طرح جسم میں گلوکوز کی سطح بھی متوازن رہتی ہے، یہ بے وقت کھانے کی خواہش کو قابو میں کرتی ہے جبکہ جسم میں اضافی سیال کو بھی خارج کر دیتی ہے۔

دل کی صحت بہتر بنائے

جگر صحت مند ہو تو کولیسٹرول کے ٹکڑے زیادہ بہتر طریقے سے ہوتے ہیں، سونف

ان غذاؤں میں سے ایک ہے جو جگر کے افعال کو مناسب طریقے سے کام کرنے میں مدد دیتی ہیں جبکہ دل کی دھڑکن بہتر ہوتی ہے۔

آنکھ کی صحت کے لیے فائدہ مند

سونف بینائی کو بہتر کرنے کے لیے بھی فائدہ مند ہے، اس میں موجود وٹامن سی بینائی کو بہتر بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔

کیل مہاسے کم کرے

سونف میں موجود آئل ورم کش خصوصیات رکھتے ہیں اور جلدی مسائل جیسے کیل مہاسوں کے علاج میں مدد دیتا ہے۔ سونف جلد میں موجود اضافی سیال کو خارج کر دیتی ہے جو کہ کیل مہاسوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔

ذیابیطس کے خلاف مزاحمت

سونف ذیابیطس کے شکار افراد کو اس مرض سے لڑنے میں بھی مدد دیتی ہے، وٹامن سی اور پوٹاشیم کے باعث یہ بلڈ شوگر لیول کو کم کرتی ہے جبکہ انسولین کی سرگرمیوں میں اضافہ کرتی ہے جس سے بلڈ شوگر متوازن رہتا ہے۔

مسوڑھوں کے لیے بہترین

سونف جراثیم کش خصوصیات کے باعث مسوڑوں کو بھی مضبوط بناتی ہے جس سے ورم یا سوجن کی روک تھام ہوتی ہے۔

نظام ہاضمہ کے مسائل دور کرے

سونف مسلز کو ریلیکس کرنے کے ساتھ بائل کے بہاؤ کو حرکت میں لاتا ہے جس

سے درد کم ہوتا ہے اور نظام ہاضمہ بہتر ہوتا ہے۔ سونف کا استعمال جسم سے گیس کو بھی خارج کرتا ہے اور پیٹ پھولنے کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔

نظام تنفس کے لیے بھی فائدہ مند

ایک طبی تحقیق میں دریافت کیا گیا سونف کا استعمال سانس کے مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، اس سے نتھنے صاف ہوتے ہیں اور نظام تنفس کے امراض دور رہتے ہیں۔ یہ پھیپھڑوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

جوڑوں کے درد میں کمی لائے

ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ جوڑوں میں ورم کے حوالے سے سونف کا استعمال فائدہ مند ثابت ہوتا ہے، یہ اینٹی آکسائیڈنٹ کی سرگرمیوں کو بڑھاتا ہے، جس سے جوڑوں میں ورم کم ہوتا ہے۔ ایک اور تحقیق میں بتایا گیا کہ سونف جوڑوں کے عوارض سے نجات کے لیے مفید ہے۔

علماء کی فضیلت

سیدنا علی بن خشرم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تم پر کیسے فضیلت لے گئے حالانکہ وہ تم سے عمر میں بڑے نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ علماء کرام پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ہم یہ نہیں کر سکتے یعنی ہمارے پاس مال نہیں ہے۔

(تاریخ ال اسلام للذھبی، ج، ۱۲، ص، ۲۳۸، دارالکتاب العربی، بیروت)

منہ کے چھالوں کا علاج

حکیم میلا د رضا

کیلا: زبان پر چھالے ہو جائیں تو ایک کیلا دہی کے ساتھ صبح سویرے کھائیں۔

شہتوت: چھالوں میں شہتوت کا شربت ایک چمچ ایک کپ پانی میں ملا کر غرارے کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

دھنیا: پسا ہوا دھنیا چھالوں پر لگانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ ثابت دھنیا پانی پر ابال کر غرارے کریں۔

لیموں: لیموں کو گرم پانی میں نچوڑ کر غرارے کریں۔

سونف: جن لوگوں کو چھالے ہوتے رہتے ہیں وہ کھانے کے بعد تھوڑی سونف لیا کریں، چھالے نہیں ہونگے۔

ارھر: ارہر کی دال کے چھلکوں کو پانی میں بھگو کر اس پانی سے غرارے کرنے سے چھالے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ یہ گرمی کا اثر بھی دور کرتی ہے۔

مھندی: مہندی کے پتوں کو منہ میں رکھ کر چبانے سے بھی منہ کے چھالے ختم ہوتے ہیں۔

زیرہ: مسوڑھے پھولنا، درد، ٹیس وغیرہ ہونے پر بھنا ہوا زیرہ اور سوندھا نمک ہم وزن پیس کر، چھان کر، مسوڑھوں پر رگڑنے سے فائدہ ہوگا۔

اگر منہ میں چھالے ہو جائیں تو کسٹرڈ پاوڈر چھالوں پر رکھ کر منہ بند رہنے دیجئے۔ اس طرح بار بار کرنے سے چھالے بیٹھ جاتے ہیں اور دو دن میں آرام آ جاتا ہے۔

پتلا کسٹرڈ بنا کر، ٹھنڈا کر کے دو کپ پی لیجئے۔ معدے کی گرمی اور اس کی بدولت ہونے والے چھالوں سے آرام آئے گا۔ ان شاء اللہ

❀❀❀

پودینہ کھائیں، بیماریوں سے نجات پائیں

حکیم میلاد رضا

وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح ہمارے رہن سہن کے طریقے بدلے ہیں بالکل اسی طرح بیماریوں کے طریقۂ علاج بھی بدل گئے ہیں۔ہم قدرتی اجزا کوفراموش کر چکے ہیں۔ذرا سی چھینک بھی آئے تو فوراً ڈاکٹر کے پاس بھاگتے ہیں۔جبکہ قدرت نے سبزی اور پھلوں میں ایسی افادیت رکھی ہے کہ ہم چھوٹی بڑی ہرطرح کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔مگر اب ہم لوگ جلد باز ہو گئے ہیں، کچھ زمانے کے تقاضے اور وقت کی کمی ہے، لہٰذا ہم قدرت کے ان خزانوں سے فائدہ اُٹھانا مشکل سمجھتے ہیں۔جبکہ ذرا سی توجہ اور مستقل مزاجی سے ہم بہت سی بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔آپ پودینے کو ہی لے لیجیے۔نہایت سستی اور بہ آسانی ملنے والی یہ جڑی بوٹی یا سبزی ہمارے لیے کس قدر افادیت لیے ہوئے ہے آیئے دیکھتے ہیں۔

عام طور پر پودینہ کو گھروں میں چٹنی کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن یہ مزیدار چٹنی جہاں ذائقہ اور خوشبو رکھتی ہے وہاں اس کے فائدے بھی بے شمار ہیں:

پودینے کی خوشبو غدودوں کو متحرک کرتی ہے جس سے بھوک لگتی ہے، کھانا اچھی طرح سے ہضم ہوتا ہے۔

پودینہ کے استعمال سے سر درد اور متلی کا خاتمہ ہوتا ہے۔پودینہ عمل تنفس سے متعلق بیماریوں میں بھی فائدہ مند ہے۔

پودینہ تمام جلدی امراض میں بہت مفید ہے، جیسے خارش، کیل مہاسے اور گرمی دانے وغیرہ۔پودینہ کی بڑی خوبی الرجی سے بچاؤ کی ہے۔ایک شدید قسم کی الرجی جس سے جسم پر خارش ہوتی ہے اور سرخ نشان پڑ جاتے ہیں۔اس میں پودینہ بہت فائدہ

مند ہے۔ پودینے کے پتوں کی چائے بنا کر قہوہ کی طرح پیا جائے، اگر الرجی زیادہ ہو تو گلاب کے عرق میں پودینہ کے پتے ڈال کر ابالے جائیں اور صبح شام پیا جائے تو بہت جلد فائدہ ہوگا۔

پودینہ طبیعت میں فرحت لاتا اور کھانے کی رغبت بڑھاتا ہے۔ سر درد گیس اور بد ہضمی میں انتہائی فائدہ مند ہے۔

بلڈ پریشر کے مریضوں کیلئے پودینہ اور لہسن کی چٹنی نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ خواتین ایاّم شروع ہونے سے تین چار دن پہلے پودینہ کا جوشاندہ پینا شروع کر دیں تو ایام کھل کر آتے ہیں۔ پودینے میں وٹامنز اور معدنی اجزاء وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں لہٰذا پودینہ تازہ ہو یا خشک اس کا استعمال بہر حال لذت کام و دہن اور صحت کیلئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پودینہ کو بطور غذا بھی استعمال کیا جائے تو ایسے افراد جو گردے اور مثانے کی پتھریوں سے پریشان ہیں انھیں پودینہ کھانا چاہیے۔

پودینہ اپنے خوشگوار ذائقہ اور اجزاء کی وجہ سے دانتوں کے معروف امراض اور بدبو کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پودینہ میں کلوروفل اور جراثیم ہوتے ہیں اگر کسی کو پائیوریا، مسوڑھوں کی خرابی اور دانتوں کی کمزوری جیسی شکایت ہو یا پھر گلا بیٹھ جائے اور زیادہ بولنے سے خراش پیدا ہو جائے تو تازہ پودینے کے پتے چبانے اور تازہ پودینے کے جوشاندہ میں نمک ملا کر غرارے کیے جائیں تو آواز کھل جاتی اور گلے کی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔

پودینہ ہیضہ کی تکلیف میں بھی بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

پودینے کے استعمال سے پیٹ کے کیڑے بھی مر جاتے ہیں۔ پیٹ کے علاوہ پودینہ اور بھی کافی امراض میں فائدہ بخش ہے ناک اور کان کے کیڑوں کو مارنے کے لیے پودینے کا پانی ڈالا جاتا ہے جس سے کیڑے مر جاتے ہیں۔

دمہ کے مریضوں کے لیے اس کا استعمال بہت اچھا ہے اور بلغم کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔

پودینے کا جوشاندہ بنا کے پینے سے بلڈ پریشر کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ بچھو یا بھڑ کے کاٹنے پر پودینے کو پیس کر زخم والی جگہ پر لگایا جاتا ہے یہ زہر کو جذب کر لیتا ہے اور درد میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ پودینے کا قہوہ بھی پیا جاتا ہے۔

حال ہی میں ہونے والی ایک جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پودینے کا مسلسل استعمال انسانی جسم میں کولیسٹرول لیول کو کم کرتا ہے اور اس میں موجود مگنیشیم ہڈیوں کو طاقت دیتا ہے، بظاہر ایک معمولی سی سبزی نظر آتی ہے تاہم اس میں بے شمار خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ پودینے کی پتیوں کا تازہ رس لیموں اور شہد کے ساتھ اسی طرح مقدار میں شامل کر کے استعمال کرنے سے پیٹ کی تمام بیماریوں کو افاقہ ہوتا ہے۔

کھانسی اور زکام کی صورت میں پودینے کا رس کالی مرچ اور کالے نمک کے ساتھ اُبال کر استعمال کرنے سے آرام آتا ہے۔

ہچکی کی صورت میں پودینے کی پتیاں چبانے سے ہچکیاں بند ہو جاتی ہیں۔

گرمیوں میں جی متلانے اور اُلٹی آنے کی صورت میں ایک چمچہ خشک پودینے کا پاؤڈر الائچی کا پاؤڈر ایک گلاس پانی میں اُبال کر استعمال کرنے سے طبیعت بحال ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اگر جلد پر کوئی زہریلا کیڑا کاٹنے کی وجہ سے انفیکشن ہو گیا ہو تو اس میں بھی فائدہ مند ہے کیوں کہ قدرتی طور پر پودینے میں خطرناک بیکٹیریا کو ختم کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ پودینے کا استعمال دن بھر کی تھکن کو ختم کرتا ہے۔ بدہضمی اور گیس کی بیماری میں بھی فائدہ مند ہے۔ پودینہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ خون میں مضر مادوں کو پسینہ کے ذریعے خارج کرتا ہے اس لئے یرقان جیسے موذی مرض میں اس کا استعمال بہت فائدہ دیتا ہے۔ پودینہ میں وٹامن ای کا بہت بڑا خزانہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ خون کی شریانوں کو فعال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ پودینہ کو بلغمی کھانسی، نزلہ زکام میں بھی

قہوہ کی طرح پیا جائے تو جلد آرام محسوس ہوگا۔اس کے علاوہ معدہ کے امراض کے لئے یہ علاج اکسیر ہے۔ پودینہ کو اچھی طرح دھولیا جائے پھر چھاؤں میں سکھا لیں جب سوکھ جائے تو ہاتھ سے مسل کر پاوڈر کی طرح بن جائے تو ایک شیشی میں ڈال کر رکھ لیں۔ جب کھانا کھائیں تو اس پر چھڑک لیں تو گیس، بدہضمی، جلن اور معدہ کے زخم میں فائدہ ہوگا۔ پودینہ کے اتنے فائدے ہیں کہ حساب نہیں۔ اس کو سفر میں بھی ساتھ رکھیں تو اچھا ہے، راستے میں سفر کے دوران قے، متلی یا پیٹ کی بیماری ہو تو اس کا استعمال بہت فائدہ دے گا۔ان شآءاللہ تعالیٰ

رشکِ بلبل ہے رضا

ازقلم؛محمد اعظم حنفی اعظم، بمقام میگووال/ نارووال

ہے بلبلِ رنگیں رضا یا طوطیٔ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

برّ صغیر پاک و ہند میں کئی مسلم شاعر پیدا ہوئے جن کے ذوقِ طبع آزمائی کے باعث یہ سرزمیں تقریباً ہر دور میں گلہائے شعر و سخن سے خوشبودار پھولوں کی طرح مہکتی رہی لیکن جب امام اہلسنت، مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی (رح) اس میدان میں جلوہ گر و رونق افروز ہوئے تو شعر و شاعری کے ایک نئے باب اور دور کا آغاز ہوا کیونکہ آپ نے غزلیات کو بھی نعتیہ رنگ میں ڈھالا اور فنّ نعت گوئی کو بامِ عروج تک پہنچایا نیز بہت سی اصناف کو موضوعِ سخن بنایا، یہاں تک کہ آپ اس فنّ کے بادشاہ کہلائے اور ایسے بادشاہ کہلائے کہ استاذ الشعراء حضرت داغ دہلوی صاحب کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو، سکّے بٹھا دئے ہیں

(محاسبہ ءدیوبندیت جلد نمبر 2،ص نمبر 274 / 275، از مولانا محمد حسن علی رضوی بریلوی، میلسی)

کمال یہ ہے کہ آپ فقط ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے عالم دین، مبلغ اسلام اور ایک عظیم مصنف بھی تھے جو کہ علوم جدیدہ وقدیمہ سے بخوبی واقف وآشنا تھے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق جن علوم وفنون پر آپ کو کامل دسترس اور مہارت تام حاصل تھی ان کی تعداد بعض کتب کے مطابق 70 تک جا پہنچتی ہے۔آپ نے بیش قیمت عنوانات پر دلائل کی روشنی میں بے شمار کتابیں تصنیف فرما کر عالم اسلام پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب بھی آپ کا کلامِ اقدس سن کر دادِ تحسین دئے بغیر نہیں رہ سکے، چنانچہ آپ کے کلام کی موافقت ومطابقت میں دو(۲) شعر ارشاد فرمائے؛

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تعجب تو یہ ہے کہ فردوسِ اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(ماہنامہ معارف رضا کراچی جولائی تا ستمبر 2002ء، 1423ھ شمارہ نمبر 22 بحوالہ ہفت روزہ قندیل 9 مئی 1950ء جلد نمبر 4، شمارہ نمبر 21، عبدالکریم نمبر)

آپ کے فن نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف بڑے بڑے علماء واساتذہ ء فن نے کیا ہے۔کسی محفل میں آپ کی یہ نعت؛

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سن کر ابوالاثر جالندھری صاحب نے اظہارِ خیال فرمایا تھا:
''یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں''۔

(ماہنامہ معارفِ رضا کراچی مئی 2001ء)

چنانچہ آپ کی شاعری کو جو مقام حاصل ہوا اردو یا ہندی کے کسی دوسرے شاعر کی شاعری اس کی گردِ راہ کو بھی نہ پاسکی۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں
کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں

نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ
مجھے شوخئ طبعِ رضا کی قسم

آپ کا کلام بالخصوص سلام:

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

زبان زدِ عام، تمام شعراء کے کلام سے زیادہ پڑھا جانے والا کلام ہے۔ چار سُو آپ کے نغمات کی صدائیں ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو؟ کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

آپ کے کلام کی بے شمار خصوصیات ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آپ نے نظم کی بہت سی اصناف کو اپنایا جن میں حمد، مناجات، نعت، منقبت،

غزل، رباعی، قطعہ اور مثنوی وغیرہ نمایاں ہیں۔ ہر ہر صنف میں آپ کا کلام شریعت کا آئینہ دار اور پاسدار ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

آپ کی شاعری کا اصل مقصد شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ثنائے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے وظیفہ، قبول سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پرواہ، ردی تھی کیا؟ کیسے قافیے تھے؟

(حدائق بخشش)

آپ کا کوئی شعر ایسا نہیں جس سے تنقیصِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ اگر کسی مقام پر اتار چڑھاؤ کا مرحلہ آیا تو اتار کا رخ اپنی جانب رکھا تا کہ ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

با عطا تم شاہ تم، مختار تم
بے نوا ہم، زار ہم، ناچار ہم

آپ کی شاعری میں منکرینِ شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین انداز میں ردّ ہے جن کا کسی بھی گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آج تک کوئی مدلل اور مسکت جواب نہیں ہو سکا۔

آپ نے ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے لحاظ سے اشعار کہے:

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(ماضی، حال، مستقبل)

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشئ رحمت کا قلمدان گیا

(ماضی)

وصفِ رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشّمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

(حال)

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

(مستقبل)

آپ نے قافیہ، ردیف کے ساتھ ساتھ تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ، تلمیح، تضاد، حسن تعلیل، صنعتِ تکرار، مراعاۃ النظیر، تجنیس اور صنعتِ سوال و جواب وغیرہ کے بکثرت استعمال سے حسنِ اشعار کو خوب خوب نکھار بخشا۔

وہ کرم کی گھٹا، گیسوئے مشک سا
لکّہء ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام

(تشبیہ)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

(استعارہ)

ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب

(مجازمرسل)

ابھی ابھی تو چمن میں تھے چہچہے ناگاہ
یہ درد کیسا اٹھا؟ جس نے جی نڈھال کیا

(کنایہ)

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

(تلمیح)

رخِ دن ہے یا مہرِ سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(صنعتِ تضاد)

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

(صنعتِ حسن تعلیل)

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(مراعاۃ النظیر)

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(صنعتِ تجنیس)

گزرے جس کوچے سے شاہِ گردوں جناب
آسماں، آسماں، آسماں ہو گیا

طوطیٔ اصفہاں، سن کلامِ رضا
بے زباں، بے زباں، بے زباں ہو گیا
(صنعتِ تکرار)

کس کو دیکھا؟ یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام
(صنعتِ سوال وجواب)

آپ نے اپنے کلام میں جا بجا خوبصورت محاورات وضرب الامثال کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے اپنے مضمون بعنوان ''حدائق بخشش میں محاوروں کا استعمال'' میں مفصّل روشنی ڈالی ہے جو کہ ماہنامہ معارف رضا کراچی اکتوبر، نومبر، دسمبر 2001ء میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ یہاں پر اشارۃً فقط ایک ایک مثال پیش ہے:

اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ ﷺ کی
(محاورہ: بیڑا پار ہونا)

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
(ضرب المثل: جان ہے تو جہان ہے)

آپ کا سارا کلام فصاحت وبلاغت کا آئینہ دار ہے، سوز وگداز اور حسنِ مراتب کا

حسین ترین انداز آپ کے کلام کو دیگر شعراء کے کلام سے ممتاز کرتا ہے۔

خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الغرض آپ کی شاعری بے شمار خوبیوں سے آراستہ ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومتِ پاکستان ایسے پُر مغز، معنی خیز اور عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرپور اور لبریز کلام کو سرکاری سطح پر نصابِ تعلیم میں شامل فرمائے تا کہ نسلِ نو عشقِ مجازی کی بجائے عشقِ حقیقی سے روشناس ہو اور ان کی سوچ منفی کردار اختیار کرنے کی بجائے مثبت اقدار کی حامل ہو۔

رشکِ بلبل ہے رضا، لالہ ءصد داغ بھی ہے
آپ کا واصف و ذاکر بھی ہے، عبدالقادر
ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا ، اوّل گیا آخر گیا

علماء اور سیاست (قسط نمبر 1)

ڈاکٹر فیض احمد چشتی

محترم قارئینِ کرام: شرعی احکامات پر عمل پیرا رہتے ہوئے عملی سیاست میں حصہ لینا ہر کسی کے لیے جائز ہے خواہ عالم ہو یا غیر عالم۔ کیونکہ سیاست بذاتِ خود کوئی ناجائز کام نہیں ہے۔ یہ خیال آج کا نہیں بہت پرانا خیال ہے، بعض لوگ پہلے بھی کہا کرتے تھے کہ علماء کا سیاست سے کیا تعلق؟ بات یہ ہے کہ جس عالم کے اندر صلاحیت ہو وہ صحیح طور پر سیاست میں شریک ہو کر دوسروں کو اپنا ہم خیال بنا لے گا، غلط بات پر نکیر کرے گا، صحیح راہِ عمل پیش کرے گا، اس کا سیاست میں شریک ہونا درست و مفید ہے۔

آج کل ایک گمراہ کن غلطی عام طور پر ہمارے معاشرہ میں پائی جاتی ہے کہ علماء اسلام کو ملکی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے بلکہ مساجد میں بھی صرف نماز، روزہ اور حج وغیرہ عبادات و اخلاقیات ہی کی بات کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ ملکی معاملات پر گفتگو کرنا اور عام لوگوں کے سیاسی مسائل میں دلچسپی لینا علماء کے لیے غیر ضروری بلکہ نامناسب ہے۔ یہ غلط فہمی معاشرہ اور اس کے آلۂ کار افراد نے اتنے منظم طریقہ سے پھیلائی ہے کہ آج معاشرتی نظام اس غلط فہمی کے سہارے مساجد و مدارس دینیہ میں سیاسیات کے تذکرہ کو روکنے کے لیے قانونی اقدامات کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کیا علما کو عملی سیاست میں حصہ لینا چاہیے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے وقت دو باتیں پیش نظر رہنا چاہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ شریعت کا نہیں، حکمت و تدبر کا معاملہ ہے۔ یہ جائز اور ناجائز کی بحث نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ شریعت نے علما کو سیاست میں حصہ لینے سے روک دیا ہے یا انہیں اس کے لیے حکم دیا ہے۔ جب ہم اس سوال کو موضوع بناتے ہیں تو ہمارے پیش نظر محض یہ ہے کہ اس سے دین اور علما کو کوئی فائدہ پہنچا ہے یا نقصان؟ دوسری بات یہ کہ عملی سیاست سے ہماری مراد اقتدار کی سیاست (Power Politics) ہے یعنی اقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا یا کسی کے عزل ونصب کے لیے کوئی عملی کردار ادا کرنا۔

قرآن مجید کی راہنمائی یہ ہے کہ ایک عالم دین کا اصل کام انذار کرنا ہے۔ (توبہ: ۱۲۲) انذار یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ انہیں ایک روز اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور ان اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے جو وہ اس دنیا میں سرانجام دیں گے۔ اس جواب دہی کا تعلق اس کردار کے ساتھ ہے جو وہ اس دنیا میں ادا کریں گے۔ اگر کوئی حکمران ہے تو اس کی جواب دہی کی نوعیت اور ہے، اور اگر ایک عامی ہے تو اس کے لیے اور اسی انذار کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ علما دین کو اس طرح بیان کریں جیسے کہ وہ

ہے۔اگر دین کو کوئی فکری چیلنج درپیش ہے تو وہ دین کا مقدمہ لڑیں۔اگر مسلمان معاشرے میں کوئی علمی یا عملی خرابی در آئی ہے تو وہ اسے اصل دین کی طرف بلائیں۔اس معاملے میں ان کی حیثیت ایک داروغہ کی نہیں ہے۔انہیں دین کا ابلاغ کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچا دینا ہے۔اس کی ایک صورت ایسے مبلغین کی تیاری ہے جو اس کام کو لے کر معاشرے میں پھیل جائیں اور ایسے ادارے اور دار العلوم آباد کرنا ہے جہاں دین کے جید عالم تیار ہوں۔اس انذار کی ایک شکل عامۃ الناس کا تزکیہ بھی ہے۔یہ تزکیہ علم کا بھی ہوگا اور عمل کا بھی۔یہ وہ کام ہے جو ہمارے صوفیا کرتے رہے ہیں۔اس وقت تصوف ایک فلسفہ حیات کے طور پر زیر بحث نہیں ہے۔میں جس پہلو کی تحسین کر رہا ہوں، وہ صوفیانہ حکمت عملی ہے جو خانقاہوں اور صوفیا کے حلقوں میں اختیار کی گئی ہے۔

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ علماء کا کام نہیں ہے یا تو لاعلمی میں ایسا کہتے ہیں یا پھر ان کا ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہے۔نیز جو لوگ بغیر کسی شرعی وجہ کے عملی سیاست میں حصہ لینے والے علماء سے بدگمان رہتے ہیں ان کا عمل بھی درست نہیں ہے۔البتہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ موجودہ حالات میں سیاست کو انتہائی گندا کر دیا گیا ہے، لہٰذا اس میں رہتے ہوئے شرعی احکامات کی پاسداری کرنا اگرچہ ناممکن نہیں ہے، لیکن انتہائی مشکل ضرور ہے۔اس لیے اکثر علماء عملی سیاست میں حصہ نہ لینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔الأمور بمقاصدہا۔(الأشباہ والنظائر ۵۳، چشتی)

علماء کیوں سیاست میں حصہ نہ لیں جب کہ سیاست شرعیہ ہی دین کی بنیادی روح ہے، و اعدو لھم ما استطعتم من قوہ۔کے مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ سیاست ہے کہ امت مسلمہ کو دین کے زریں اصولوں پر جمع کر کے ایک مضبوط قوت میں تبدیل کیا جائے، یاد رکھیں وہ قوم ذلت و پستی کی گہری کھائیوں میں گر جاتی ہے جس کے علماء سیاست سے لاتعلق ہو جاتے ہیں، احادیث مبارکہ اور ان کی تشریح میں اس نکتہ کو دیکھتے

ہوئے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سیاست انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء۔

بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، اور دوسری جگہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں، اب سوچنے کی بات ہے کہ جب سیاست انبیاء کا وظیفہ ہے تو اس کے معانی یہ ہوئے کہ جتنی بھی امتیں گزری ہیں رب کائنات نے ان امتوں کی قیادت اور سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھوں دے دی تھی، جب نبوت کا دروازہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بند ہو گیا، اور آپ نے یہ ارشاد بھی فرما دیا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ امت مسلمہ کو اگر صحیح سمت میں چلانے کی قدرت اور وسعت کوئی رکھتا ہے تو وہ علماء دین ہیں اس لیے کہ علماء ہی۔ انما یخشی الله من عبادہ العلماء ۔ کے مصداق ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ سیاست جھوٹ کا نام ہے سیاست دغا اور دھوکے کا پلندہ ہے سیاست کی یہ بھونڈی تصویر بھی عوام کے ذہنوں میں ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی تاکہ عوام سیاست کو دین سے جدا سمجھ کر علماء کو مساجد اور منبروں تک محدود کر دیں اور نا اہل قسم کے ظالم حکمران ان پر مسلط رہیں اب اگر کوئی بھی ذی شعور شخص تھوڑا سا غور کر لے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ آخر عبادات تو دین اسلام کے آنے سے قبل بھی ہوتی تھیں رب ذوالجلال کے سامنے جھکنے والے تو پہلے بھی موجود تھے، بیت اللہ شریف کا طواف اور حج تو پہلے بھی جاری تھا۔ پھر وہ کیا چیز تھی جو کہ اس معاشرے میں موجود نہیں تھی۔ دین اسلام نے وہ نئی چیز ''اسلامی نظام مساوات'' کی شکل میں دی عدل وانصاف کی شکل میں دی انسانوں کے برابری کے حقوق کی شکل میں دی یہ تاریخ انسانیت میں پہلا موقع تھا کہ اسلام کے آنے کے بعد حبشہ

کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جوتوں سمیت کعبہ پر چڑھا کر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے کا کہا گیا یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے عربی اور عجمی کی تفریق کو ختم کر کے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کی نگاہوں میں برابر کر دیا۔

اگر شرعی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیاست تدبیر و انتظام کا نام ہے۔ تدبیر و انتظام کرنا ایک ایسے معاشرے کا کہ جس کا نظام معیشت و امن ان بنیادی اصولوں پر استوار ہو جو کہ ریاست مدینہ کے اصول تھے، وہ معاشرہ کہ جس میں انسانوں کی طبعی ضرورتیں ''کھانا پینا'' کپڑا لتہ ''مکان'' ''تعلیم اور صحت'' کے انتظامات تمام لوگوں کے لیے ایک جیسے ہوں اسلامی سیاست کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جا سکے کہ۔ جس میں کوئی انسان اپنی طاقت مال اور رعب کے نشے میں کسی کمزور پر ظلم نہ کر سکے، ایک ایسا نظام جہاں کوئی شخص تعلیم سے بے بہرہ نہ رہ سکے۔ جہاں کوئی ذی آدم دواؤں کی عدم دستیابی یا مہنگا ہونے کے سبب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے۔ جہاں عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ جہاں انسانی مساوات میں ذات پات کی تقسیم کو ختم کر دیا جائے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں اور بادشاہوں نے ہر دور میں ہمیشہ یہ کوشش کی کہ سیاست کو دین سے جدا کر دیا جائے لہٰذا ایک مذموم سازش کے تحت یہ باتیں عام کی گئیں کہ دین صرف عبادات کا نام ہے، سیاسی معاملات جیسا کہ ٹیکس وصول کرنا، مخالفین سے جنگ یا صلح کرنا فوجداری اور دیوانی انتظامات یہ سب دین سے الگ ہیں جب کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک پر غور کیا جائے تو بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی ''جہاد اور عدل'' کے قیام میں مصروف رہے، نماز روزہ حج ''فرض عبادات کے بعد جتنا بھی وقت ملتا وہ اسی طرح کے دنیوی امور میں گزرتا۔

❀❀❀

قابلِ مطالعہ کتابیں

Email:muslimkitabevi@gmail.com